سلفیت کا معنی کیا ہے؟اور یہ کس کی طرف نسبت ہے؟شرعی نصوص کی تفسیر کے بارے میں کیا فہم سلف سے نکلا جاسکتا ہے؟

فضیلۃ الشیخ محمد ناصرالدین البانی رحمہ اللہ المتوفی سن 1420ھ

(محدث دیارِ شام)

مصدر: سلسلۃ الھدی النور کیسٹ 1.

پیشکش: توحیدِ خالص ڈاٹ کام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال: بعض حاضرین بھائی سلفی دعوت کے متعلق سنتے رہتے ہیں یا جو کچھ اس بارے میں لکھا جاتا ہے اسے پڑھتے بھی رہتے ہیں اس دعوت کے دشمنوں کی طرف سے نا کہ اس کے متبعین وداعیان کی طرف سے، پس ہم آپ فضیلۃ الشیخ جو کہ سلفیت کے علماء اور اس کے داعیان میں سے ہیں سے امید کرتے ہیں کہ آج کی موجودہ اسلامی جماعتوں کے درمیان سلفی مؤقف کی وضاحت فرمائیں (کہ وہ کس طرح سے ان سے مختلف ہے)؟

الشیخ: میں اس قسم کے سوال کا کئی بار پہلے بھی جواب دے چکا ہوں۔ لیکن جواب تو دینا ہو گا کیونکہ سوال کر دیا گیا ہے۔ میں ایک کلمہ کہتا ہوں جس کے تعلق سے کوئی بھی مسلمان جدال نہیں کرے گا جب اس پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ:

اول: سلفی دعوت کی نسبت کس کی طرف ہے؟ سلفیت کی نسبت سلف کی طرف ہے۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ ہم یہ جانیں کہ علماء مسلمین جب لفظ سلف کا اطلاق کرتے ہے تو اس سے مراد کون لوگ ہوتے ہیں؟ پھر اسی کے ضمن میں ہم اس نسبت کو سمجھیں کہ اس کا معنی اور دلالت کے اعتبار سے کیا وزن ہے۔ السلف: وہ قرون ثلاثہ (تین زمانوں) کے لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث جو کہ صحیحین وغیرہ میں صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے میں خیر پر ہونے کی گواہی دی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ"[1]

[1] صحیح بخاری 2652، صحیح مسلم 2536۔

(بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر جو ان کے بعد آئیں، پھر جو ان کے بعد آئیں)۔

یہ وہ قرون ثلاثہ ہیں جن کے خیر پر ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی۔ پس سلفیت انہی سلف کی جانب نسبت ہے۔ اور سلفی انہی سلف کی جانب نسبت کرتے ہیں۔ جب ہم نے سلف اور سلفیت کا معنی سمجھ لیا تو یہاں میں دو امور بیان کرنا چاہوں گا:

پہلا امر: یہ نسبت کسی شخص یا اشخاص کی طرف نسبت نہیں جیسا کہ آج اسلامی دنیا میں موجودہ جماعتیں نسبتیں کرتی ہیں۔ چناچہ یہ کسی ایک شخص بلکہ دسیوں اشخاص تک کی طرف نسبت نہیں بلکہ یہ نسبت ایک عصمت کی جانب نسبت ہے وہ اس طرح کیونکہ سلف صالحین کا کسی گمراہی پر جمع ہو جانا محال ہے۔ بر خلاف ان خلف کے، کیونکہ ان خلف کی شریعت میں کوئی تعریف بیان نہیں کی گئی بلکہ ان میں سے اکثریت کی مذمت ہی بیان ہوئی ہے۔ جیسا کہ خود سابقہ حدیث کے آخر میں فرمایا:

"ثم يأتي من بعدهم أقوامٌ يَشهدون ولا يُستشهدون"[2]

(پھر ان کے بعد ایسی اقوام آئیں گی جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی گئی ہو گی) اور آخر تک جو حدیث ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری حدیث میں اس جانب اشارہ فرمایا کہ مفہوم کے اعتبار سے حدیث میں مسلمانوں میں سے ایک چھوٹے سے گروہ کی تعریف فرمائی اور ان کی اکثریت کی مذمت فرمائی، فرمایا:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ أَوْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ"[3]

(میری امت کا ایک چھوٹا سا گروہ حق کے ساتھ غالب رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے یا تا قیام قیامت)۔

پس اس حدیث میں آخری زمانے میں پائے جانے والے ایک طائفہ کو تعریف و مدح کے لیے خاص کیا اور طائفہ ایک چھوٹی سی جماعت کو کہتے ہیں، جو کہ لغت کے اعتبار سے ایک فرد یا اس سے اوپر کے لیے بولا جاتا ہے۔

---

[2] صحیح بخاری 3650، صحیح مسلم 2538، بخاری کے الفاظ ہیں: "ثُمَّ إِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ" (توحید خالص ڈاٹ کام)

[3] صحیح بخاری 71، 7311، 7312 صحیح مسلم 1923 وغیرہ۔

لہذا جب ہم نے سلفیت سے متعلق یہ معنی سمجھ لیا اور یہ جان لیا کہ اس کی نسبت سلف صالحین کی جماعت کی طرف ہے، اور جو ان سلف صالحین کے منہج کی پیروی کرتا ہے اس کے لیے عصمت ہے۔

دوسرا امر: پھر وہ دوسرا امر آتا ہے جس کی جانب ابھی میں نے اشارہ کیا تھا اور وہ ہے کہ جو بھی مسلمان اس نسبت کو جان گیا اور یہ بھی جان گیا کہ یہ کس عصمت کی جانب نسبت ہے تو پھر محال ہے کہ وہ اس علم و وضاحت کے بعد بھی یہ کہے کہ میں اس سے بری ہوتا ہوں، یہ ایک بدیہی امر ہے، بلکہ محال ہے کہ وہ سلفی کے علاوہ کچھ بنے۔ کیونکہ ہم نے یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لی کہ سلفیت کی جانب نسبت دراصل عصمت کی جانب نسبت ہے، لیکن ہم نے یہ بات کہاں سے اخذ کی؟ یہ بات ہم نے ایک حدیث رسول ﷺ سے اخذ کی ہے جس سے بعض خلف اس کے حقیقی معنی کے برخلاف استدلال کرتے ہیں، یعنی اکثریت کی رائے کو لینا چاہیے جس پر ان خلف کے جمہور ہوں اسے لینا چاہیے، حدیث یہ ہے:

''لا تجتمع أمتي على ضلالة''[4]

(میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی)۔

اس حدیث کی تطبیق آج موجود خلف جن میں بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں پر کرنا صحیح نہیں۔ اس کی تطبیق آج کے موجودہ مسلمانوں پر کرنا صحیح نہیں یہ بات تو ہر وہ شخص جانتا ہے جو مسلمانوں کی موجودہ ابتر حالت کا علم رکھتا ہے۔ اس پر ان صحیح احادیث کا بھی اضافہ کر لیں کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پہلے یہود و نصاری کی تفرقہ بازی کی خبر دی اور جو عنقریب رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں میں تفرقہ بازی ہو گی، فرمایا:

''افترقت اليهود على إحدى وسبعين فرقة ، والنصارى على اثنتين وسبعين فرقة ، وستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة۔ قالوا : من هي يا رسول الله ؟ قال : هي الجماعة''[5]

(یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے، نصاری بہتر فرقوں میں میں تقسیم ہو گئے، عنقریب میری امت بھی تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جو سب کے سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ پوچھا: وہ ایک فرقہ کونسا ہو گا؟ فرمایا: وہ ایک جماعت ہو گی)۔

---

4 صحیح ترمذی 2167 کے الفاظ ہیں: ''إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي، أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلَى ضَلَالَةٍ'' (توحید خالص ڈاٹ کام)

5 صحیح ابن ماجہ 3242 کے الفاظ ہیں: ''إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقَتْ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَإِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ، إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ الْجَمَاعَةُ'' (توحید خالص ڈاٹ کام)

اس جماعت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کی جماعت ہے جس کی تطبیق سابقہ حدیث پر کی جائے گی یعنی:
(میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی)۔

اس حدیث سے بھی مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن کے کے راستے اور منہج پر چلنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ فرقۂ ناجیہ ہیں۔اور یہ وہ سلف صالحین ہیں کہ جن کی مخالفت سے اور ان کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلنے سے ہمارے رب عزوجل نے قرآن کریم میں ڈرایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: 115)

(جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے)

میں نے بہت سی مناسبات پر اپنے بھائیوں کی توجہ اس آیت میں ہمارے رب عزوجل نے جو عطف فرمایا ہے اس کی طرف دلوائی ہے کہ اللہ تعالی نے رسول ﷺ کی مخالفت کے ساتھ اتباعِ غیرِ سبیل المؤمنین کو جوڑا ہے۔اس میں آخر کیا حکمت ہے؟ حالانکہ اگر آیت میں سے یہ جملہ حذف بھی کر دیا جاتا اور آیت کچھ اس طرح سے ہوتی کہ: (جو کوئی ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ خود پھرا اور اسے جہنم پہنچا دیں گے اور اور وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے) تو بھی یہ رسول ﷺ کی مخالفت پر ڈرانے اور تحذیر کے لیے، اور مخالفت کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتانے کے لیے کافی ہوتی۔ لیکن آیت اس طرح سے نہیں۔ بلکہ اس میں اللہ تعالی نے اس قول کا اضافہ فرمایا ہے کہ:

﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

کیا یہ عبث ہے؟! حاشا وکلا! اللہ تعالی عبث کلام کرنے سے پاک ہے، تو پھر اس کی کیا غایت ہے؟ اس جملہ ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کو رسول ﷺ کی مخالفت کے ساتھ عطف کرنے میں کیا حکمت ہے؟ حکمت وہی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب انہوں نے اسی آیت سے اجماع پر استدلال فرمایا، یعنی: جو کوئی صحابہ کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر

چلے وہ صحابہ کی جماعت جنہیں ہم نے اپنی سابقہ تعبیر میں عصمت کہا تھا، یہ وہ جماعت ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فرقۂ ناجیہ کہا اور جو کوئی ان کے طریقے کی پیروی کرے انہیں بھی۔ ان کے لیے جو چاہتا ہے کہ بروز قیامت اللہ تعالی کے عذاب سے بچ جائے جائز نہیں کہ ان کی مخالفت کرے، اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: 115)

چناچہ آج کے مسلمانوں کو جو آخری زمانے کے مسلمان ہیں چاہیے کہ وہ دو امور کو جان لیں:

اولاً: اس آیت میں مذکور مسلمان کون ہیں؟ پھر اللہ تعالی کی کیا حکمت ہے کہ اس نے صحابہ کرام جو کے سلف صالحین ہیں اور جو کوئی ان کے طریقے پر چلیں کو مراد لیا؟ اس سوال کا جواب یا اس حکمت کا بیان پہلے گزر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کہ اس عہدِ نبوی کے قریب ترین ہیں کہ جس میں وحی تر و تازہ وہ زبان نبوی ﷺ سے براہ راست سنتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ انہوں نے اپنے نبی ﷺ کو جو کہ ان کے درمیان ہی رہتے تھے ان شرعی منصوص احکام کی عملی تطبیق کرتے ہوئے دیکھا۔ جن کا ذکر آپ ﷺ کے بہت سے فرامین مبارکہ میں ملتا ہے۔ جبکہ خلف کو یہ فضیلت حاصل نہیں کہ انہوں نے براہ راست قرآن و حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کو کتاب و سنت کے ان نصوص کی عملی تطبیق کرتے ہوئے دیکھنے کی بھی فضیلت حاصل نہیں۔ اور یہ حکمت تو حدیث رسول ﷺ میں بھی بیان ہوئی ہے کہ:

"لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ"[6]

(محض خبر کا سننا اسے خود دیکھنے یا معائنہ کرنے کے برابر نہیں)۔

اور اسی سے ایک شاعر نے اپنا شعر اخذ کیا کہ:

وما راءٍ كمن سمع

(دیکھنے والا صرف سننے والے کی طرح نہیں)

[6] مسند احمد 1845، صحیح الجامع 5373۔

چناچہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں وہ ان کے صحابہ کی طرح نہیں ہو سکتے کہ جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے، آپ ﷺ سے براہ راست سنا اور عملی تطبیق کرتے ہوئے دیکھا۔ آجکل ایک جدید جملہ بعض اسلامی داعیان دہراتے رہتے ہیں جو کہ ایک خوبصورت کلمہ ہے۔ لیکن اس سے بھی خوبصورت بات تو تب ہے جب اسے واقعی عملی جامہ پہنایا جائے۔ وہ اپنی تقاریر، مواعظ وار شادات میں یہ کہتے ہیں کہ: ہم پر واجب ہے کہ ہم اسلام کو واقعی ایسا کر دیں کہ وہ حقیقی طور پر زمین پر چلتا پھرتا ہمیں دکھائے دے۔ خوبصورت کلام ہے۔ لیکن اگر ہم اسلام ہی کو نہ سمجھیں اور اسے فہم سلف صالحین کی روشنی میں نہ جانیں جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ممکن نہیں ہم اس خوبصورت شاعرانہ کلام کو حقیقت کا روپ دے سکیں اور واقعی اسلام حقیقی طور پر زمین پر چلتا پھرتا دکھائی دے۔ جو لوگ اس کی استطاعت رکھتے تھے وہ صحابہ کرام تھے ان دو اسباب کی وجہ سے جو میں نے ابھی اوپر بیان کیے۔ انہوں نے براہ راست آپ ﷺ کا کلام سنا اور بہترین طریقے سے اسے سمجھا۔

پھر بعض ایسے امور ہوتے ہیں جو عملی بیان کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ انہیں عملاً کر کے دکھاتے تھے۔ میں آپ کے لیے ایک بالکل واضح مثال بیان کرتا ہوں۔ قرآن کریم میں بعض آیات ہیں کہ جنہیں کوئی بھی مسلمان سمجھ ہی نہیں سکتا جب تک اسے اس سنت کا علم نہ ہو جو اس کی وضاحت کرتی ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے کہ:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: 44)

(یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں)

مثلاً فرمان الٰہی ہے:

﴿وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓا۟ أَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ: 38)

(چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو)

اب اس زمانے کے لغت میں سیبویہ کو لے آؤ اور کہو کہ ہمارے لیے اس آیت کی تفسیر کرے کہ ﴿السَّارِقُ﴾ چور کون ہے؟ لغوی اعتبار سے چور کی تعریف کی تحدید نہیں کی جاسکتی۔ اور ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ اس آخری زمانے کے سیبویۂ زمان کو لے آئیں وہ بھی ان دو سوالوں کے جواب نہیں دے سکتا۔ اس سے مراد کونسا چور ہے کہ جو ہاتھ کاٹے جانے کا مستحق ہے؟ اور ہاتھ کا کونسا حصہ ہے جہاں سے کاٹا جائے گا۔ لغوی اعتبار سے اگر کوئی ایک انڈہ بھی چوری کرے تو وہ چور ہے، اسی طرح سے ہاتھ بھی ہاتھ ہے

چاہے یہاں (ہتھیلی) سے کاٹا جائے یا وہاں (بازو) سے کاٹا جائے یا پھر کسی بھی جگہ سے کاٹ دیا جائے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جو ہم نے آیت بیان کی:

﴿وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: 44)

اس کا جواب وہ بیان (وضاحت) ہے جو رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی فرمائی۔ اس بیان کی آپ ﷺ نے عملی تطبیق بھی فرمائی مثال کے طور پر بالخصوص اس آیت کی اور اس جیسی دیگر آیات کی جو کہ بہت سی ہیں۔ کیونکہ جو کوئی علم الاصول پڑھتا ہے تو وہ اس میں ایسی اصطلاحات پاتا ہے عام و خاص، مطلق و مقید، ناسخ و منسوخ وغیرہ ایسے مجمل کلمات کہ جن کے تحت اگر سینکڑوں نہیں تو دسیوں نصوص ضرور آجاتے ہیں۔ ایسے عام نصوص جنہیں سنت مقید کرتی ہے۔ میں اس پر فی الحال کلام کو طوالت نہیں دوں گا کیونکہ مزید سوالات کے جواب بھی دینے ہیں۔

تصدیق نامہ

مندرجہ بالا مواد توحیدِ خالص ڈاٹ کام کی جانب سے نظرثانی کیا گیا ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس میں کتاب وسنت اور فہم سلف صالحین کے مخالف کوئی بات مندرج نہیں۔ آپ اگر ٹائپنگ وغیرہ میں کوئی بھی غلطی محسوس کریں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ اسی طرح سے اگر ترجمے میں کسی بھی قسم کی غلطی، تضاد، نقص یا ابہام پائیں، یا پھر اصل عربی متن کے مقتضی کے خلاف کوئی اور معنی و مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہو، یا پھر تیار کردہ مواد میں کوئی بھی بات قرآن وسنت اور فہم سلف صالحین کے خلاف ہو تو ضرور ہمیں مطلع فرمائیں

info@tawheedekhaalis.com اور براہ مہربانی غلطی کی نشاندہی مکمل حوالے کے ساتھ کی جائے تاکہ فوری اصلاح ممکن ہو۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ہم میں سے کوئی آپ کے دینی مسائل کا جواب یا فتوی دینے کا مجاز نہیں بلکہ اس سلسلے میں علماء کرام سے براہ راست رابطہ کیا جائے۔ البتہ اگر آپ کے پاس کوئی مفید تجاویز ہوں تو ہم اس پر ضرور غور کریں گے۔